تصوف بندگی اور آدمیت کا سفر ہے

غلام جیلانی خان

الحمدللہ علی إحسانہٖ والصلاۃ والسلام علیٰ محمد و آلہ و أصحابہ
تسلیما کثیرا کثیرا

عقل میں جو گھر گیا لا انتہا کیوں کر ہوا
جو سمجھ میں آ گیا پھر وہ خدا کیوں کر ہوا

سب انسان مردہ ہیں زندہ وہ ہے جو علم والا ہے۔ سب علم والے سوئے ہوئے ہیں، بیدار وہ ہیں جو عمل والے ہیں۔ سب اخلاص والے خطرے میں ہیں کامیاب وہ ہیں جو تکبر سے پاک ہیں۔(حضرت امام غزالی علیہ الرحمۃ)۔

اس جدید دور میں تصوف کے کچھ ماننے والے اور اس کے ناقد بے انتشار اور بے مقصد کج روی اور کچھ عجیب طرح کی عقیدت کا شکار نظر آتے ہیں۔

ہر دو حضرات انسان کی داخلی زندگی کے ذریعہ اس کی خارجی زندگی کی تفہیم کی ضرورت کا ادراک کیے بغیر انسان کی نجات کے مسئلہ کو حل کرنے کی سعی لاحاصل کر رہے ہیں۔

نتیجتاً یہ حضرات تصوف کو گمراہ کن نظریہ اور عمل سے جوڑ دیتے ہیں جس کا تصوف کے عمل و نظریہ سے کوئی ربط اور تعلق نہیں ہوتا۔ مثلاً تصوف رہبانیت ہے، نو افلاطونیت ہے وغیرہ۔ ہمارے پیر صاحب کو یہ مافوق الفطرت قوت حاصل ہے، تصوف جھاڑ پھونک تعویذ گنڈے کا نام ہے وغیرہ۔

در رہ عشق نشد کس بے کس محرم راز
ہر کسے بہر حسب فہم گمانے دارد

چنانچہ ہر دو صورتوں میں ذہن جدید کے ماتحت تصوف کی فکر و عمل اور اس کی مابعد الطبیعات اجنبی بنتی چلی جا رہی ہے۔

برصغیر پاک و ہند کے معروضی حالات کے تحت یہ بات جاننا ضروری ہے کہ یہاں کی تہذیب

کی بنیاد مابعد الطبیعات پر استوار ہے اور ہمارے مستند سلاسل، بزرگان چشت بالخصوص اور حضرات نقشبندیہ و قادریہ بالعموم اس روایت و تہذیب کے امین و محافظ ہیں۔

اگر کسی بھی مابعد الطبیعاتی فکر نے ان سلاسل کے توسط کے بغیر کسی شخصی اور جہتی، خاندانی اور موروثی بنیادوں پر نفوذ و تطہیر کی کوشش کی تو وہ بے جہت اور لاحاصل ہو گی اور اس کا نتیجہ حاضر و موجود سرمایہ دارانہ نظام کا حصہ بن جانے کا باعث ہو گا اور ہوا بھی یہی ہے۔

دراصل تصوف کے یہ سلاسل وہ مصدقہ مسلمات ہیں جنہوں نے برصغیر کے افراد امت کی تطہیر اور تنظیم کی ساخت و عمل میں بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ تصوف نے فرد اور معاشرت و ریاست کو اسلامی قلب و روح کے ساتھ جوڑے رکھا۔

این قافلہ عمر عجب می گزرد دریاب دمی کہ با طرب می گزرد
ساقی غم فردای حریفان چہ خوری پیش آر پیالہ را کہ شب می گزرد

دراصل تہذیب ایمان و عقائد اور اعمال کا ایک مرکب ہے۔ عقائد اور افکار کی سطح پر اس مرکب کی حیثیت نفس کے اعمال پر مشتمل ہے۔ معاشرتی سطح پر یہ رسوم و رواج کی شکل میں مجسم ہوتی ہے۔ لہذا بنیادی طور پر عقائد و افکار یعنی ایمانیات اور رسوم و رواج میں کوئی دوئی نہیں ہے۔

اگر ان دونوں بنیادوں میں سے کسی ایک سے انکار کر دیا جائے تو ہماری تہذیب میں ایک مجرد خلا آ جائے گا اور نفس امارہ اور اس کے خارجی آلۂ کار احساس و اعمال کی کریہہ صورتوں کو خوب صورتی کے ساتھ دنیا و مافیہا کے ساتھ جوڑ دیں گے۔

سدا کام ہے محبوب مجھ کو تیری الفت سے شدم بے زار من افضل از این دنیا و مافیہا

ہماری پوری تہذیب میں تصوف اور اس کے سلاسل و اعمال کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ تصوف انسان کے حال و مقام کی نہ صرف تفہیم کرتا ہے بلکہ اس کا عملی مظہر بھی متعین کرتا ہے۔ فرد اور فرد کے درمیان رشتے ہوں یا انسان اور کائنات کے درمیان یا انسان اور خدا کا تعلق ہو ان سب کی واضح اور عملی تفہیم بحسن و خوبی بیان بھی کرتا ہے اور اس کو معاشرتی رسوم و رواج میں مجسم کر کے مختلف سیاقات میں زندگی کا فطری حصہ بھی بناتا ہے۔

ان لم أكن أخلصت في طاعتك
يا رب فإنني أطمع في رحمتك

تصوف کے بارے میں یہ تصور بھی غلط ہے کہ صوفیا عملی زندگی سے کنارہ کش ہوتے ہیں۔ یہ کسب حلال کے قائل تھے۔ بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ وسیع کاروبار کے مالک تھے اور اکثر صوفیہ کوئی نہ کوئی پیشہ اختیار کرتے تھے اس کو موجب عزت سمجھتے تھے۔ ان کے نزدیک پیشہ کی توہین کرنا ایک قسم کا کفر ہے۔

قرآن حکیم نے ”سیروا فی الأرض“ کا حکم دیا۔ حضرات صوفیہ نے ظاہری اور باطنی علم کی تلاش میں اللہ کے اس حکم پر خوب عمل کیا۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے ملتان میں پانچ برس قیام کیا اور وہاں رہ کر سنسکرت سیکھی۔ ان بزرگوں نے علاقائی زبانوں کو استعمال کیا اور انہیں وعظ و نصیحت کا ذریعہ بنایا۔

ان حضرات کی زندگی محض کشف و کرامات کے گرد نہیں گھومتی۔ برصغیر کی روحانی تسخیر اور اخلاقی و ایمانی فتح کا بیڑا مشائخ و صوفیا کرام کے سر ہے جہاں تبلیغ دین کے سلسلہ میں جو کامیابی و کامرانی بزرگان دین کو نصیب ہوئی وہ کسی اور کا حصہ نہ بن سکی۔

صوفیہ کے نزدیک تصوف کا مقصد یہ ہے کہ پہلے انسان خود اپنے اندر اخلاقِ حسنہ پیدا کرے اور پھر دوسرے افراد میں اس کی تخم ریزی کرے۔

صوفیہ نے سلوک کو تمام تر مکارم اخلاق پر موقوف کیا ہے بلکہ بعض مشائخ نے تصوف سے اخلاقِ حسنہ ہی مراد لیے ہیں۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء فرماتے ہیں نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کے ساتھ ساتھ مردانِ خدا کے کام کاج میں لگے رہنا کچھ اور ہی معنی رکھتا ہے۔ یہ حال و طور مقامِ عبدیت کے ساتھ خاص ہے۔

اگر علمائے اسلام نے کتابیں لکھی ہیں تو صوفیائے اسلام نے ایسے افراد تیار کیے ہیں جنہوں نے ان کتابوں پر عمل کرکے ایک انقلاب برپا کر دیا۔ صوفیہ نے دماغ کے ساتھ دل کی تربیت و اصلاح کا فرض بھی بحسن وخوبی انجام دیا۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی علیہ الرحمہ دلیل العارفین میں فرماتے ہیں:

"تصوف علم ہے نہ رسم بلکہ مشائخ علیہ الرحمہ اللہ کا ایک خاص اخلاق ہے۔ صوفی کی حیثیت سے اس اخلاق کی تکمیل یہ ہے کہ فرد اپنے ہر کردار میں شریعت کا پابند ہو۔ جب اس سے کوئی بات خلافِ شریعت سرزد نہیں ہوگی تو وہ دوسرے مقام پر پہنچے گا جس کا نام طریقت ہے۔ جب اس میں ثابت قدم رہے گا تو معرفت کا درجہ حاصل کرے گا اور جب اس میں بھی پختہ ہو جائے گا تو حقیقت کا مرتبہ پائے گا"

گنج بخش فیض عالم مظہر نورِ خدا

کاملاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

یعنی فرد جب تصوف کے کسی سلسلہ کے ذریعے ایمانیات کو قبول کرتا ہے تو جو شے اس سے مشروط ہوتی ہے وہ رشتے ہیں۔ انسان اور انسان کا رشتہ (محبت)، انسان اور کائنات کا رشتہ (خلافت)، انسان اور خدا کا رشتہ (عبادت)۔ یعنی ایمانیات خود ایک سطح پر فرد اور دوسری سطح پر گروہ کے ظاہری و باطنی رشتے کا صحیح و راسخ خطوط پر قائم ہونے کا نام ہے۔ اسی وجہ سے اہل تصوف کہتے ہیں کہ کائنات کے پہلے صوفی حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔

یہ رنگ رنگ کی بات نہیں خود کو رنگنے کی بات ہے

بے رنگ کی ذات میں رنگنا قلندروں کی صفات ہے

برصغیر میں حضرات صوفیائے رباط نے "جہاد بالسیف" اور "جہاد باللسان" کو ایک ساتھ جوڑے رکھا اور مسلمان آبادی کی اس طرح تطہیر کی کہ ان کا ہندومت / ہندو مذہب کی طرف دوبارہ پلٹنا ناممکن بنا دیا۔

انگریزوں کی برصغیر میں آمد کے بعد یہاں کے مسلمانوں کی ایمانیات پر پے در پے اندرونی اور بیرونی فکری اور نظری حملے شروع ہوئے جس کی بنا پر جو مابعد الطبیعات مدارس و مساجد کے بین بین خانقاہی (رباط) نظام کے تحت قائم ہوئی تھی ختم ہوتی چلی گئی۔ خانقاہ پر خانوادے براجمان ہو گئے جن کا بنیادی کام انگریز سرکار کی تنظیم کا کل پرزہ بننا اور ان کی کاسہ لیسی کرنا اور ان کو افرادی طاقت فراہم کرنا تھا۔

آج بھی یہ خانوادے دنیاوی مفاد کے لیے موجودہ جمہوری اور سرمایہ دارانہ نظام کے ساتھ

جڑے ہوئے ہیں۔ ان خانوادوں اور سجادوں نے ایک پراگندہ مابعد الطبیعاتی نظام اپنے دنیاوی مادی فوائد کے لیے قائم کرر کھا ہے۔ لیکن تصوف کی روح ختم اور اسکی حقیقت عنقا ہو گئی ہے۔

معاشرت اور فرد کے ایمان وعقائد کی سطح کے مابین رشتہ کمزور ہو تا گیا اور شعور و معرفت و ادراک حقائق اشیا نفس کے کسی خانۂ خاموش کا حصہ بن گئے۔

چنانچہ ہمارے روزمرہ کے مشاہدہ میں ہے کہ بے شمار جعلی مزار، ڈبہ پیر، ڈھونگی بابے، عجیب وغریب مضحکہ خیز نام والے بابے، نااہل گدی نشین، لمبے غیر شرعی بال، چرس کے سوٹے، افیم کے غٹاغٹ، پھر الجھی الجھی باتیں، موٹی موٹی انگوٹھیاں اور طوطے کی سی آنکھیں بنا کر خود کو ملنگ وصوفی ظاہر کرتے پھرتے ہیں۔ یہ لوگ صرف دولت واثر ورسوخ کے لیے یہ وضع اختیار کرتے ہیں۔

کون نہیں جانتا معروف سلسلوں کی گدی نشینی کے لیے کیا کیا پاپڑ نہیں بیلے جارہے ہیں۔ باپ اپنی اولاد کو ناجائز کررہا ہے، وقف کی املاک کس طرح ذاتی تصرف میں لاکر اڑائی جارہی ہیں، مریدوں کو لینڈ کروزر والے سجادہ نشین کس طرح لوٹ رہے ہیں، چندہ کی پیٹی ہتھیانے کے لیے کیا کیا جتن نہیں کیے جارہے ہیں۔ لہٰذا ایسی کارستانیوں سے آنکھیں کھلی رکھیں۔ بدکاری، بدمزاجی، ظلم ولالچ کبھی بھی صوفیوں کا شیوہ نہیں رہا۔ جن پیروں، سجادہ نشینوں کا اپنا قبلہ اور عمل درست نہیں وہ آپ کو کہاں دھکیلیں گے، آپ کا دین وایمان غارت کر کے آپکو کہاں چھوڑ دیں گے؟

دنیا تے جو کم نہ آیا اوکھے سوکھے ویلے
اس بے فیض سنگی کولوں بہتر یار اکیلے

دراصل معرفت حاصل کرنا تنہا مجرد نفس کا کام نہیں۔ یہ عمل بنیادی طور پر انسان کامل کے منصب خلافت کا متقاضی ہے اور منصب خلافت حقیقت انسانی کا اصل جوہر ہے۔ اسی وجہ سے محبت، خلافت اور عبادت نوع انسانی کی اصل فطرت ہے۔

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا

اسلامی تاریخ میں تصوف کا ظہور ایک معجزہ ہے۔ اس کا پھیلاؤ بجلی کی سرعت سے ہوا۔ تصوف کے اصول و مبادی چٹان کی طرح قائم ہو گئے۔

تصوف کے بنیادی عناصر کا پھیلاؤ ادیانِ عالم کی تاریخ میں اس طرح کہیں نہیں ملتا۔ دراصل تصوف ایک عملی مظہر کا نام ہے۔ تصوف بزم کا نام نہیں بلکہ رزم کا مظہر ہے جس نے عرب اور غیر عرب دنیا کو ایک دوسرے کے لیے قابل و مقبول بنا دیا اور ان مقامی چیزوں کی اسلامیت کے مطابق تشکیل کی جن کی جڑیں خیر القرون کے ساتھ جڑی ہوئی تھیں۔ یہی چیزیں ان سلاسل کا خاصہ ہیں۔

تیری کریمی کے آسرے پر ہم فقیروں کی زندگی ہے
جسے تو نے عروج بخشا اسے خیالِ زوال کیسا

اسلامی معاشرت تصوف کے ارتقا پر مبنی ہے۔ پیغام محبت، معاشرتی روابط، خلافت (بیعت) جہاد، رباط اور عوام کے قلوب پر حکمرانی تصوف کا خاص فیضان ہے۔ اس حرکی اور عملی وجود کا ادراک ایک جاری اور مسلسل سلاسل کی شکل میں، عالم مکان و عمل کی سطح پر، ہماری تاریخ میں ہمیشہ موجود رہا اور شکستہ قلوب کو نئی تازگی عطا کرتا رہا۔

تو خود گفتی در قلب شکستہ خانہ داری
شکستہ قلب من جانا بہ عہد خود وفا کن

تصوف ایک ایسا حرکی اور عملی اصول مرتب کرتا ہے جو انسان کی معاش کو معاد سے منسلک رکھتا ہے۔ یہی اس کا تصور جمال ہے جو اس کو حق سے منسلک رکھتا ہے اور عقل معاش اور عقل معاد کے درمیان توازن قائم رکھتا ہے۔

شراب شوق می نوشم باگرد یار می گردم
سخن مستانہ می گویَم ولی هشیار می گردم

☆☆☆